

مولانا عبدالقیوم حقانی فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ

امام اعظم ابوحنیفہ کا نظریہ انقلاب و سیاست

ذیل کے مقالہ مولانا عبدالقیوم حقانی نے شاہ ولی اللہ سوانی کے دعوت پر مدرسہ قائم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں ۵ اپریل ۱۹۸۸ء کے اجلاس میں پڑھا۔ جس میں اکابر علماء، مشائخ، علمی و دینی شخصیتوں، سکول و کالج کے اساتذہ، پروفیسر، صحافی اور دانشور حضرات نے شرکت کی۔ بعد میں میاں محمد اجمل قادری مدظلہ امیر انجمن خدام الدین، مولانا عبدالرشید انصاری مدیر ہفت روزہ خدام الدین، جناب شبیر احمد نفیس مدیر ماہنامہ حوت چاریار، سید احمد حسین زید مدیر ہفت روزہ ترجمان اسلام، سلطان القلم مولانا سید انور حسین نفیس رقم خلیفہ اجمل حضرت مولانا عبدالقادر راٹھوری، جناب پروفیسر جمالی صاحب اور جناب مرزا جانناز صاحب مصنف کاروائی احرار نے اظہار خیال فرمایا اور مقالہ کو موجودہ حالات میں تمام افراد امت کے لیے فکرائیگر اور انقلاب آفرین قرار دیا۔ (ادارہ)

تدبیر منزل، نظم ملکیت اور فلاح امت کے اجتماعی، قومی اور ملی امور کی ترتیب و تنظیم کو سیاست کہتے ہیں، سیدنا امام الائمہ، سید الفقہاء، محدث کبیر، امام اعظم ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی کے تین مختلف ادوار اور تدریجی مراحل تھے۔

- ۱۔ اعلیٰ اور جامع منصوبہ بندی کے ساتھ اندرون خانہ وضع قوانین، ان کے نفاذ و اجراء اور غلبہ و استحکام کے لئے ایک وسیع اور ہمہ گیر تحریک جو مثالی طور پر کامیاب ہوئی۔
- ۲۔ عباسیوں کے طائفہ ابو مسلم خراسانی کے مظالم، سفاکیوں اور چہرہ دستیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والوں سے زبردست تعاون اور صحیح اسلامی انقلاب کے لئے ایک بڑی جماعت، مضبوط سیاسی قوت، اتحاد امت اور ایک وسیع اور موثر تحریک و تنظیم کی تجویز و مساعی اور بالآخر شہنشاہ کا میابی۔
- ۳۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی سیاست کا تیسرا مرحلہ، فقہ و قانون اور اسلامی آئین کی تدوین کی تکمیل، اطراف و کثافات

ملک میں آپ کے ترمیم یافتہ رجال کا انقلابی کردار، محمد بن عبد اللہ بن زکیہ اور ابراہیم بن زکیہ کی ہر پاکر وہ وسیع انقلابی تحریک میں شرکت، امام صاحب کا حکومت کے انتظامی حربوں کا ہدف بننے اور خلعت شہادت سے سرفراز ہونے کے باوجود اجتماعی، قومی اور ملی مفادات کی سطح پر ۵۲۰ سال تک فقہ حنفی کی گہنی بالادستی چاروں وابستہ فتنہ کی ترویج، اور امت کے لئے اسلامی نظام حکومت اور شرعی نظام سیاست کے واضح خدوخال اور بے غبار لائحہ عمل۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے زمانہ میں سیاسی طور پر ظلم و بربریت اور تشدد و استبداد کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے تھے یہ وہی زمانہ محاسب صدیق اکبرؑ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بیت اللہ کی چوکھٹ پر خاک و خون میں تڑپا دیا گیا تھا۔ ابن زیاد اور حجاج بن یوسف کی توار غریبوں اور بن کسوں کے سر پر لٹک رہی تھی۔ کہ اپانک بنی امیہ کی مردہ لاشوں سے عمر بن عبدالعزیزؓ کو اموی تخت کی وراثت ملی۔ یہ ابوحنیفہ کے عفو ان شباب کا زمانہ تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے آزادی ملت کیلئے پہلے منشور کا اعلان کیا کہ

اللہ کی نافرمانی میں کوئی ہماری اطاعت نہ کرے

لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی مختصر مدت خلافت کے بعد چھ خلفائے بنی امیہ یکے بعد دیگرے آئے جنہوں نے نبوت کی راہوں کو چھوڑ کر عجمی سلاطین کا وطیرہ اختیار کر لیا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان کے بے پناہ مظالم، ناگفتہ حالات اور تشدد و استبداد سے تنہا ٹھکانے، انشعاص اور چہرے کے بدننے کے بجائے پورے نظام میں انقلاب لانے کی منصوبہ بندی کی۔ چنانچہ تدوین فقہ و قانون اور تحریک نفاذ اسلام کی خاموش مگر حکیمانہ سیاسی پالیسی وضع کی جس کے بعد میں دور رس انقلابی نتائج نکلے۔ اور وہ اسلامی سیاست کے اصول بن کر تاریخ کا سنہری باب بن گئے۔

یہی وہ زمانہ تھا جب بنی امیہ کے طاغیہ حجاج اور عباسیوں کے طاغیہ ابو مسلم کی طغیانوں، سرکشیوں، بے رحمیوں کے خونی مناظر، کھلے ہوئے جیل خانوں کی آہ و بکا اور شور و ہنگامہ کی ہیبت ناک تصویر سے اچھے اچھوں کے ارادے پست ہو جاتے تھے۔ شیر بیشہ آزادی رو بہ مزاحیہ مجبور کر دئے گئے تھے بڑے بڑوں کے ایمان خریدے جا رہے تھے مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ حکومت ظالمہ سے مقاطعہ اور ترک موالات اور استغناء و بے نیازی کی روش اختیار کر کے گویا اصلاح و تدبیر کی حکیمانہ سیاست پر عمل پیرا تھے اور کثرت سے یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے

عطاء ذی العرش خیر من عطاءکم

وسیبہ واسع یدجی و یتنظر

راش والے کی داد تمہاری داود ہش سے بہتر ہے اس کا ابر کرم فراخ ہے جس سے امیدیں وابستہ ہیں اور جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

و انتم تكدہ ما تعطون منكم
واللہ يعطى بلا من ولا كدہ

تم لوگ حکومت والے جو کچھ دیتے ہو اس کو گدلا کر دیتے ہو اور حق تعالیٰ دیتے ہیں جس میں نہ احسان جملانے کی ادیت ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی کد ورت اس میں ہوتی ہے۔

امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید کی شہادت، امام حسن کے پوتے محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کی شہادت اور سلاطین و امارار جوہر کی طرف سے امت پر مظالم و مصائب کے پیش نظر امام ابو حنیفہؒ کا فطری ترجم و جذبہ بہادر کی انہیں ہر گھڑی بے چین رکھتا تھا وہ امت محمدیہ کو ظالم سلاطین کے فولادی پنجے اور غلامی کی زندگی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں آپ نے اہل حق مظلومین، علماء طلباء فضلاء، ائمہ مجتہدین، دین کے خدام اور امت کے عام افراد سے بہرہ روی و خیر خواہی اور نصرت و مدد کے لئے وسیع پیمانے پر تجارت کا کاروبار شروع فرمایا غریب کو مفاد بہت پر مال دیتے تھے اور اس سے ان کی مدد کرتے تھے۔ علماء کو تحائف اور طلباء کو وظائف جاری فرماتے تھے پڑوسیوں کی مدد اور حاجت مندوں کی ضرورت، بیواؤں کی سرپرستی اور مستحقین پر جو دوسخا آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی قیام گاہ "مجلس البرکتہ" کے نام سے معروف ہو گئی تھی۔ عامۃ الناس کے فائدے اور عام مصاشی سدھار کے لئے صحیح اسلامی بنکاری کا نظام قائم فرمایا تھا جس کی ایجاد و ترویج کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔ کوفہ کے مشہور ظالم گورنر ابن النصرانیہ خالد اور یوسف کے زمانہ میں (جن کے دور میں دن کو رات کہنا بھی جرم تھا اور دن کہنا بھی گناہ) خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ حضرت زید بن علی کی جب کوفہ تشریف آوری ہوئی اور اور بنی امیہ کے خلاف مقابلہ کے لئے علی الاعلان چار ہزار افراد نے ان کے ماتھے پر بیعت کی۔ تو انہوں نے بھی سیاد ریاست کے اصول و احکام پر مجتہدانہ اور فقیہانہ نظر رکھنے والی مسلم شخصیت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے سامنے اپنے قلم صد کے ذریعہ صورت حال رکھ دی۔ چنانچہ حضرت امام صاحب نے بغیر کسی لیت و لعل، تردد اور پس و پیش کے غیرت و حمیت اسلامی کے پیش نظر علی الاعلان فتویٰ جہاد صادر فرمایا کہ :-

” حضرت زید کا اس وقت بنی امیہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر میں تشریف آوری کے مشابہ ہے۔“

اس دور میں محدثین کے ایک بڑے طبقے نے ظالم سلاطین کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کرنے اور اپنی ذاتی ذمہ داریوں کی تکمیل میں اپنی استقامت کی حد تک مشغول رہنے کو اسلامی سیاست قرار دے کر گوشہ خمبول میں زندگی گزارنے کو ترجیح دی۔ مگر امام اعظم ابو حنیفہؒ حالات کا اندازہ، عواقب و انجام اور نتائج سے بے نیاز ہو کر غرض سیاست برائے سیاست کی خاطر میدان میں کود پڑنے کو شرعی اور فقہی نقطہ نگاہ اور تعلیمات کی رو سے غیر مفید اور بعض حالات میں مضر اور قابل

موانذہ جرم قرار دیتے تھے منکر کو بدلتا ضروری قرار دیتے تھے۔ مگر یہ منکر کے بدلنے سے کسی بدترین منکر کو راہ ملتی تھی تو اعتدال اور احتیاط کی راہ چلتے تھے۔ حضرت امام صاحب ایسی قربانی جس کا فائدہ ایک دو افراد کے درجہ شہادت تک محدود ہو اور ملت کے لئے نافع نہ ہو اور جس سے بعض حالات میں دوسرے لوگوں میں بھی آگے بڑھنے کی جرات اور ہمت چھوٹ جاتی ہو کے مقابلہ میں صالح رفقاء کی نصرت، ایک مضبوط جماعت اور ناقابل تفریق سیاسی قوت کے بہم پہنچانے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ فرمایا کرتے:-

الحکومت جابرہ اور ظالم سلاطین سے مقابلہ کرنے والوں کو صالح رفقاء میسر آجائیں اور ایک آدمی ان کی سرکاری کرے اور یہ ایسا آدمی ہو جو اللہ کے دین میں قابل اعتماد ہو اور اپنے مسلک سے نہ پلٹے تب مسلمانوں کو اس انتہائی فرض کی ادائیگی کے طور پر اس میدان میں ثابت القدم اور راسخ المعزم ہو کر ظالم سلاطین کے جو روستم کے مقابلہ میں ایک سیسہ پلائی دیوار ہو جانا چاہئے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نظریہ تھا کہ جابر سلاطین کے مقابلہ میں انفرادی قربانی شہادت و جاں سپاری کا جتنا بھی باند تہیں مقام ہو اس میں شک نہیں مگر ان کی نظرو بصیرت دقیق اور دور رس نتائج پر تھی وہ خود کو قتل کر دینے کے بجائے امکانات سے حتی الوسع نفع اٹھانے کے قائل تھے۔ وہ اجتماعی اور ملی فائدہ اور ملت کے احیاء اور اصلاح و تدبیر سے امکانی منافع کے حصول کو ترجیح دیتے تھے۔

احقر سے امام ابوحنیفہؒ کے سیاسی مسلک اور اجتماعی زندگی میں خالص فقہی و شرعی سیاسی پالیسی قرار دیتا ہے۔ احقر نے اپنی تالیف دفاع امام ابوحنیفہؒ ص ۳۳۳ میں امام ابوحنیفہؒ کے سیاسی عمل کے اجمالی خاکہ کیوں تخلیص لکھی ہے۔

”خلاصہ یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ چالیس سال کی عمر سے ستر سال کی عمر تک میدان سیاست میں اترے رہے اور جب تک دوسرے امکانات سے نفع اٹھانے کا موقع ملتا رہا۔ استفادے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ سیاسی حکمت عملی، فقہ حنفیہ کی بالادستی، تلامذہ کے ایک بڑے حلقہ اور قاضیوں کی ایک بڑی جماعت کے مستقبل میں غلبہ اور فقہ حنفیہ کو آئینی حیثیت اور قانونی تحفظ اور عملاً مکمل نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے بعد سلطان جائر کے سامنے کامیابی کا اظہار کر کے جام شہادت نوش کیا۔

حکم بن ہشام کہا کرتے تھے کہ:-

”ہماری حکومت (بنی امیہ) نے ہزار چاہا کہ اپنے خزانوں کی کنجیاں امام ابوحنیفہؒ کے حوالے کر دیں یا وہ اپنی پیٹھ پر کوڑے پٹوانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے حکمرانوں کے عذاب کو اختیار کر لیا مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے جان چھڑالی۔

حکومت بنی امیہ کی امام ابو حنیفہؒ کے متعلق اول سے یہ پالیسی تھی کہ پہلے نرمی سے کام لیا جائے اور نرمی میں جس حد تک مبالغہ ممکن ہو اس میں کمی نہ کی جائے۔ لیکن نرمی سے جب کام نہ چلے تب گرمی کے طریقوں کو اختیار کیا جائے۔ چنانچہ روسے زمین کی سب سے بڑی طاہرہ حکومت کے سب سے بڑے گورنر ابن ہبیرہ نے امام صاحب کی خدمت میں حکومت بنو امیہ کی سیاسی پالیسی کی تشکیل کرتے ہوئے دوستی بڑھانے کی درخواست پیش کی۔ اور کہا

حضرت شیخ! اگر آپ اپنی آمد و رفت کو ہمارے مال ذرا بڑھا دیں تو آپ سے ہم فائدہ اٹھائیں اور ہمیں آپ سے نفع پہنچے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنے استغنائی طرز عمل اور بے باکانہ گفتگو سے ابن ہبیرہ کی پیشکش رد کرتے ہوئے فرمایا:-

”تمہارے پاس آکر کیا کروں گا۔ اگر تم مجھے نزدیکی اور قرب عطا کرو گے تو فتنہ میں مبتلا کرو گے۔ اور اگر ہمیں تم نے دور رکھا یا قرب عطا کرنے کے بعد نکال دیا تو خواہ مخواہ کے غم میں مجھے مبتلا کرو گے۔“

عراق، ایران اور خراسان جیسے عظیم صوبوں کے مطلق العنان حاکم (گورنر) ابن ہبیرہ نے اس کے بعد امام صاحب کو ایک باختیار وزیر بنانے کی پیشکش کرتے ہوئے پیغام بھیجا کہ:-

”گورنر کی مہر تمہارے سپرد کر دی جائے گی۔ تاکہ جو حکم نافذ ہو اور کوئی کاغذ جو حکومت کی طرف سے صادر ہو اور خزانہ سے کوئی مال برآمد ہو وہ سب آپ ہی کی نگرانی میں ہو گا۔ اور آپ ہی کے ماتھے سے نکلے گا۔“

مگر امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنی سیاسی پالیسی کی تکمیل اور حق کی بالادستی کی خاطر دولت بنی امیہ کے اس منصب حلیل کو ٹھکرا دیا۔ تو گورنر ابن ہبیرہ نے آپ کو ۱۵ روز کے لئے جیل بھیج دیا۔ زمانہ جس میں بھی طمع و لالچ اور جاہ و منصب کی مسلسل پیشکش ہوتی رہی اور شاہی کارخانہ کی نگرانی کا عہدہ سپیش کیا گیا جب یہ نہ چلی تو عہدہ قضا کی پیشکش کی گئی جب یہ پیشکش بھی ٹھکرا دی گئی تو گورنر ابن ہبیرہ نے عینض و غضب سے معمور ہو کر قسم کھاتے ہوئے اعلان کیا کہ:-

”اگر عہدہ قضا کو بھی امام ابو حنیفہؒ نے قبول نہ کیا تو میں ان کے سر پر کوڑے مار کر رہوں گا۔“

دنیا لرز رہی تھی۔ مگر امام ابو حنیفہؒ کی نظر کوڑوں سے زیادہ آخرت کے آہنی گرز کی چمک پر تھی۔ چنانچہ اسی لب و لہجہ میں آپ نے بھی اعلان کر دیا کہ:-

”خدا کی قسم! میں ہرگز عہدہ قضا قبول نہیں کروں گا مجھے ابن ہبیرہ قتل ہی کیوں نہ کر دے۔“

ابن ہبیرہ یہ جواب سن کر تھلا اٹھا۔ ابو حنیفہؒ کو سپاہیوں کے ذریعے اپنے دربار میں حاضر کر کے موت کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں تو ابو حنیفہؒ نے بڑی بے نیازی کے ساتھ فرمایا:-

”صرف ایک ہی موت تک ابن ہبیرہ کا اقتدار ہے۔“

ابن ہبیرہ کے اشارہ سے امام صاحب کے کھلے سر پر جلا دوں کے کوڑے برس رہے تھے۔ سر پر مار پڑنے سے چہرہ مبارک سوچ گیا تھا۔ پالیسی پر راستہ میں کسی تصور سے امام صاحب پر گریہ جاری ہوا۔ کسی نے وجہ دریافت کی تو ارشاد فرمایا۔
 ”اس مار کا مجھے خیال نہیں، بلکہ مجھے اپنی والدہ کا خیال آتا ہے میرے اس حال کو دیکھ کر اس بے چاری کا کیا حال ہوگا؟“
 ہجرت کے ایک سو تیسویں سال جب بنی امیہ کی حکومت کے خلاف سارے مالک اسلامیہ میں سازش کا جال پھیل گیا۔ امام ابو حنیفہ بھی بنی امیہ کے بے پناہ مظالم کے ستائے ہوئے تھے جہاد کے عنوان سے انتقام کے جذبات بھی ابھر سکتے تھے۔ مگر امام صاحب محض انقلاب اور محض شورش کے بجائے ٹھوس مثبت اور سودمند انقلاب لانا چاہتے تھے۔
 چونکہ جو مسلم خراسانی کی قیادت میں برپا ہونے والی بغاوت میں ایسی کوئی توقع نہیں تھی اس لئے آپ نے ان دنوں مجاورت عوم کی زندگی اختیار کر لی۔ بلد الامین میں پناہ گزینی کی یہ مدت کوئی سو اچھ سال بنتی ہے۔

جب بنی امیہ کی حکومت ختم ہوئی اور عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح تخت نشین ہوا تب امام ابو حنیفہ حین الشریفین سے واپس تشریف لائے۔ سفاح چار ماہ حکومت کر کے فوت ہو گیا تو ابو جعفر منصور الدوانیقی سربراہ آئے تخت ہوا جسے عباسیوں کے پہلے حقیقی خلیفہ دولت عباسیہ کے مہاراول اور اس کے حقیقی بانی ہونے کا مقام حاصل ہے۔ اسی ابو جعفر منصور کے ساتھ امام ابو حنیفہ کی کشمکش امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا سیاسی کارنامہ ہے۔

عباسیوں کے طاغیہ ابو مسلم خراسانی جو اپنی سفاکانہ کزوتوں میں ظالم الامۃ حجاج بن یوسف سے کسی طرح بھی کم نہیں مطلق العنانی اور اس شترکینہ سیاہ سینہ فرماں روا کی ظالمانہ حقیقتیں بے نقاب ہو کر ہی خوالان ملت کے سامنے آئیں تو ابراہیم الصائغ جیسے صاحب اخلاص و دیانت کے دلوں کے اندر آگ کی طرح حق گوئی و بے باکی کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ چنانچہ اسی جذبہ انقلاب کے تحت وہ بغیر مل مشا ورت و رہنمائی اور معاونت و ہمہوائی کے امام اعظم ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
 امام اعظم ابو حنیفہ نے بڑے گہرے غور و فکر اور سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے ابراہیم الصائغ سے فرمایا کہ
 ”اگر اس کام کی سرانجامی میں کچھ صالح لوگوں کی جماعت مددگار بن جائے اور ان لوگوں کا سروضرط بھی ایک ایسا

آدمی ہو جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہو“

اس ارشاد سے امام ابو حنیفہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ بغیر کسی تنظیمی اور مضبوط سیاسی قوت کی فراہمی کے اس قسم کے خطرات میں چل پڑنے سے وضع قوانین اور ترمیم شریعت کی حکیمانہ سیاسی پالیسی کا بننا بنایا پر و گرام خاک میں مل جائے گا۔ ابو حنیفہ باضابطہ اور موثر اجتماعی تنظیم کے قیام تک انتظار کی گھڑیوں میں وضع قوانین اور رجال کار کی تربیت پر توجہ مرکوز رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی مقصد میں امام صاحب کامیاب ہوئے اور فیاضی ازل نے انہیں ایسی دونوں صورتیں مہیا بھی کر دیں۔ ابراہیم موت جیسے لایخل عقدے کا حل چاہتے تھے اور وہ ہی تھا کہ خدا کے دشمن کی تلوار ان کو خدا کے پاس پہنچا دے اور وہ اپنے مالک حقیقی کے قدموں پر اپنی جان نثار کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت

ابراہیم کو شہید کر دیا گیا اور ان کی لاش کنوئیں میں پھینکوا دی گئی۔ رضی اللہ عنہ۔ مگر امام اعظم ابو حنیفہؒ نے افادے و استفادے اور نفع المسالین کے پیش نظر باقاعدہ تنظیم و تحریک کے قیام کے اظہار کی ممکنہ سعادت میں حق کو آگے بڑھایا۔ باطل کو پیچھے دھکیلا۔ گو شہید ہوئے اور اسی منزل تک پہنچے جس تک حضرت ابراہیم الصالحؑ پہنچنا چاہتے تھے مگر انہوں نے اپنی قیمتی جان دے کر ذاتی منفعت خلعت شہادت کے علاوہ وضع قوانین، تدوین فقہ، اشاعت علم رجال کار کی فراہمی و تربیت، فقہی اصول، قواعد و کلیات، ہزاروں فروعات، اجتہاد اور استنباط مسائل اسلامی سیاست کے نشان راہ، اسلامی ریاست کا قیام اور اس کے نظام کے خدوخال یعنی فقہ حنفیہ کو ملک کی دستوری و آئینی حیثیت دلانا اور اس کے مکمل نفاذ کی صورت میں گرانقدر قیمت وصول کی۔ اسے ہم امام ابو حنیفہؒ کا سیاسی مسلک قرار دے رہے ہیں۔

اقامت حق اور ازالہ باطل کے لئے آپ کی اس فاکوش اور حکیمانہ منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے پاس فقہ حنفی ہی نہیں بلکہ فقہ حنبلی، فقہ مالکی اور فقہ شافعی کا عظیم قانونی ذخیرہ موجود ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ چاروں دستاویز فقہ کی ترویج و اشاعت میں کسی نہ کسی حیثیت سے امام ابو حنیفہؒ ہی کی دیدہ ریزئیوں کو دخل حاصل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اپنا سیاسی نصب العین یہ متعین کر چکے تھے کہ اپنی پوری زندگی اور زندگی کے سارے وسائل کو کھپا کر جو صحیح چیز وہ تیار کر رہے ہیں۔ اس کے قبول کرنے پر حکومت کو مجبور کر دیا جائے۔ چنانچہ تیر نشانے پر بیٹھا۔ موفقیں لکھا ہے کہ:-

”بالآخر امام ابو حنیفہؒ کی بات نے استواری حاصل کی اور امراء و سلاطین امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہو گئے۔ اور خلفاء کے درباروں میں ان کی اہمیت و ضرورت کا ذکر ہونے لگا۔“
بجلی بن آدم کہتے ہیں کہ خلفاء اور ائمہ یعنی مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کا طبقہ اور حکام امام ابو حنیفہؒ کے مدونہ قوانین سے فیصلہ کرنے لگے اور بالآخر اسی پر سلسلہ ختم ہوا۔

ابو جعفر منصورؒ نے مختلف جیلوں بہانوں سے ابو حنیفہؒ کے حکومت سے اشتراک عمل کی تحریک شروع کر دی۔ اس دوران یوں بھی ہو کہ دنیا اپنی پوری روحانیوں اور کشاکشوں کے ساتھ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پاؤں پر بیٹھی۔ ابو جعفر منصورؒ نے مختلف عورتوں میں عطایا، ہدایا، تحائف پیش کئے۔ وہ ابو حنیفہؒ کو اپنے کام کا بنانا چاہتے تھے۔ قدرت نے امام ابو حنیفہؒ کو ہمید بنایا تھا اور صیاد بھی۔ مگر امام ابو حنیفہؒ صیاد ہی رہنا چاہتے تھے۔ بایں ہمہ حق کوئی دے باکی اور اصلاح و تنقید کا کوئی موقع ہر جگہ سے ملتے جلتے رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ بھرے دربار میں علی الاعلان منصورؒ سے اپنی ایک طویل جوابی تقریر میں کہا:-

”میں بھی حیثیت سے تمہاری حکومت شرعی اور آئینی نہیں ہے۔ جب تم نے حکومت سنبھالی تو اس وقت ارباب فتویٰ دو آدمی بھی تمہاری خلافت پر متفق نہیں تھے،“

ابو جعفر اس تقریر سے سٹ پٹایا۔ مگر ہوشیار، مصالحت اندیش اور بڑا سیاسی تھا۔ نہ ہر کے بجائے گڑ کھلانے کے تجربے کو ترجیح دیتا تھا۔ کہ ادھر محمد بن عبداللہ نفس زکیہ نے مدینہ میں حکومت کے خلاف بغاوت اور مقابلے کا اعلان کر دیا تھا۔ بغاوت کی یہ تحریک ایک وسیع، ہمہ گیر اور انقلابی تحریک تھی۔ ادھر عہد انتظار میں ابو حنیفہ نے تدوین فقہ و تربیت رجال کا کام مکمل کر لیا تھا۔ چنانچہ امام صاحب علی الاعلان کوفہ میں ابراہیم نفس رقیہ اور محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ اور علی رؤس الاشہار فتویٰ جاری فرمایا کہ "اس جنگ میں شرکت ۵۰ حج سے زیادہ افضل ثواب ہے۔ جس کے پیش نظر امام صاحب کے ہر شاگرد، مجلس وضع قوانین کے ارکان اور حلقہ درس کے تمام تلامذہ آپ کے اہل و عیال غرض سب کی زندگی خطرے میں آگئی۔ ایسے حالات میں امام ابو حنیفہ صانع انقلاب کے لئے ہر ممکن تدبیریں سوچ رہے تھے۔ اسی زمانہ میں امام ابو حنیفہؒ نے عباسی فوجی بساط کے سب سے بڑے مہرے اور زبردست موروثی نمک خوار اور وفادار جبریل حسن بن قحطیبہ کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ امام صاحب کی اس سیاسی تدبیر سے ابو جعفر منصور یا وجود سیاسی مدبر، دلیر اور بہادر ہونے کے بوکھلایا۔ ایسے حالات اور حکومتی تحقیقات کے باوجود حکومت ابو حنیفہؒ پر ہاتھ ڈالنا بھڑکے چھتے میں ہاتھ دینے کے مترادف سمجھ رہی تھی۔

بہر حال تدبیر پر تقدیر غالب آگئی اور تحریک کچل دی گئی۔ نفس زکیہ اور نفس رقیہ دونوں بھائی شہید کر دیے گئے۔ ادھر خلیفہ منصور نے چن چن کر جیلے بہانوں سے بغاوت کی تحریک میں حصہ لینے والوں سے انتقام لینا شروع کر دیا۔ امام دارالہجرہ امام مالکؒ نے محمد نفس زکیہؒ کے خروج کے وقت فتویٰ دیا تھا کہ ابو جعفر منصور نے بیعت جبراً اور زبردستی لی ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس جرم کی پاداش میں امام مالک کو ۳۰، اور بعض روایات کے مطابق سو کوڑے لگائے گئے۔ بڑی طرح پٹوائے گئے۔ مونڈھے اتروائے گئے۔ ناقابل برداشت سزا سے امام مالکؒ بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔

ادھر امام ابو حنیفہؒ کی عظمت، رعیت میں اس کا مقام و اہمیت اور کسی وقت بھی اقتدار کے لئے خطرہ بن سکنے کے خطرہ کو ٹانے کے لئے منصور کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ چنانچہ منصور نے ۱۲۸ سے ۵۰ تک جو تعمیر بغداد کی تکمیل اور امام صاحب کی وفات کا سن ہے۔ تقریباً دو ڈھائی سال کے عرصہ میں منصور نے پھر سے امام صاحب سے نیا تعلق قائم کیا۔ چنانچہ امام صاحب کو کوفہ سے بغداد بلا کر اولاً قضا کا عہدہ پیش کیا۔ جب انکار دیکھا تو چند صوبوں کی قضا پیش کی۔ جب یہ بھی نہ چلی تو آخر میں تمام ممالک محروسہ کے لئے ابو جعفر منصور قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے کی ساجت کرتے رہے کہ پورے ملک میں قاضیوں کے نصب و عزل کے اختیارات بھی امام صاحب کے پاس رہیں۔ مگر امام صاحب نے منصور پر تعریضاً و تنبیہاً یہ واضح کر دیا کہ تمہارے حوالی موالی، اعزہ و اقربا اور نوکر شاہی کے افراد، انصاف، قانون کی بالادستی اور مساوات کے تقاضوں کو پورے کرنے میں بری طرح حائل نہیں گے۔ ارشاد فرمایا۔

”امیر المؤمنین! آپ کے گرد و پیش میں جو لوگ ہیں ان کو تو ضرورت ایسے حکام کی ہے جو آپ کی وجہ سے اگلا کریم“

آپ نے اسی مجلس میں خود خلیفہ پر بھی یہ واضح کر دیا کہ۔

”اگر کوئی مقدمہ آپ پر دائر ہو اور آپ مجھ سے یہ چاہیں کہ قانون کے مطابق نہ کروں اور دھمکی دیں کہ اگر اسے نہ کروں تو مجھے دریا میں غرق کر دوں گا تو یاد رکھئے میں دریا میں ڈوب جانے کو پسند کروں گا۔ لیکن خلافت انصاف فیصلہ کروں مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔“

ایک مرتبہ ابو جعفر منصور نے حضرت امام اعظم کے پاس کچھ رقم بھیجی مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ دوستوں اور غیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ لے کر صدقہ کر دیجئے تو امام صاحب بڑی حیرت سے پوچھ رہے تھے۔

اے عندہم شیئ حلال، او عندہم
کیا ان لوگوں کے پاس حلال کچھ ہے کیا ان لوگوں
کے پاس کچھ حلال مال بھی ہے۔

جب بعد الوفا امام ابوحنیفہؒ کو عام قبرستان کے بجائے علیحدہ دفن کیا گیا اور خلیفہ منصور قبر پر نماز پڑھنے آیا تو پوچھا کہ امام صاحب کو عام مقبرے سے علیحدہ کیوں دفن کیا گیا تو لوگوں نے جواب دیا کہ امام صاحب بغداد کے خطہ اراضی کو ارض منصوبہ قرار دیتے تھے۔ یہ ان کا فتویٰ اور وصیت تھی کہ مجھے ایسی زمین میں نہ گاڑنا جو ناجائز ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو۔ منصور نے جب یہ سنا تو امام صاحب کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

من یعدرفی منک حیاً و میتاً
زندگی اور مرنے کے بعد بھی تجھ سے مجھے کون

بچا سکتا ہے۔

بہر حال بات تو یہ چل رہی تھی کہ خلیفہ منصور نے امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ قاضی القضاۃ کے عہدے کی طرف سب سے پہلے ہارون الرشید کا ذہن منتقل ہوا۔ اور اس نے قاضی ابو یوسف کا اس عہدے پر تقرر کیا مگر واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ ہی نے اس کے لئے زمین ہموار کی تھی۔ اور ابو جعفر منصور امام ابوحنیفہؒ کی حکیمانہ سیاست سے مجبور ہو کر انہیں اس عہدہ کی پیش کش کر رہا تھا۔ بعد میں امام ابو یوسف کا قاضی القضاۃ بننا یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا۔ بلکہ یہ امام ابوحنیفہؒ ہی کی سیاسی حکمت، منصوبہ بندی اور بہترین لائحہ عمل تھا۔ قاضی ابو یوسف امام ابوحنیفہؒ کی اس دوراندیشی کو یاد کر کے کبھی کبھی کہہ اٹھتے

”امام ابوحنیفہؒ کتنے بابرکت انسان تھے کہ دنیا و آخرت کی دونوں راہیں ہم پر انہی کی کھولی ہوئی ہیں“

امام اعظم ابوحنیفہؒ خلیفہ منصور کی اس عظیم پیشکش ریعنی عہدہ قاضی القضاۃ یا وزارت عدل کے منصب جلیل کو بھی اپنی بعیرت اور دوراندیشی کے پیش نظر اپنے لئے زندگی کا اہم امتحان قرار دے رہے تھے۔ امام صاحب سمجھ رہے تھے کہ اس طریقہ سے ابو جعفر منصور مجھے اپنے قابو میں لانا چاہتا ہے۔ منصور طے کر چکا تھا کہ اس خطرناک کانٹے کو اپنی حکومت کی راہ سے بہر حال نکال باہر کروں گا اور اس کے دم ہی راستے ہو سکتے تھے یا تو انہیں حکومت میں شریک کر لیا جائے یا انہیں ختم کر دیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے سامنے بھی دو ہی راستے تھے۔

۱۔ یا تو منصور کے پیش کئے ہوئے اس آخری لقمہ کو کھل کر خود پہنچ جائیں لیکن اپنی زندگی کی ساری کمائی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔

۲۔ یا ابو جعفر کی بدگمانیوں کو یقین کے درجہ تک پہنچا کر اپنے مشن اور نصب العین کو بقا و دوام بخشنے کے لئے خود اپنی ذات کے ختم ہو جانے کے خطرے کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

امام ابو حنیفہؒ نے دوسری صورت میں فقہ حنفیہ کے شاندار مستقبل کے پیش نظر اسی کو ترجیح دی۔ اور کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے ایک ہزار تلامذہ کے عظیم مجمع کو خصوصی ہدایات دیتے ہوئے ایک تاریخی تقریر فرمائی جس کے چند ایک اقتباسات درج ذیل ہیں:۔ ارشاد فرمایا!

عزیز تلامذہ! میرے دل کی مسرتوں کا سارا سرمایہ تم لوگوں کا وجود ہے۔ تمہاری ہستیوں میں میرے حزن اور غم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش پا کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو اب لوگ تلاش کریں گے۔ میں نے بڑی بڑی گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا اور ہموار کر دیا ہے۔

پھر ان چالیس تلامذہ کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتے ہوئے قریب بلایا اور ارشاد فرمایا۔

پس وقت آگیا ہے کہ آپ لوگ میری مدد کریں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم چالیس میں ہر ایک عہدہ قضا کی ذمہ دار رہو۔ کو سمجھانے کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہے اور دس آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بلکہ قاضیوں کی تربیت و تہذیب کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ میری یہ تمنا ہے کہ علم کو غلوم ہونے سے بچاتے رہنا۔ قضا کا عہدہ اس وقت تک درست اور صحیح رہتا ہے جب تک کہ قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ اسی قضا کی تنخواہ حلال ہے مسلمانوں کا بادشاہ یا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویے کو اختیار کرے تو اس بادشاہ سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے۔

ابو جعفر منصور کو ابو حنیفہ کی ایک ہزار تلامذہ سے یہ خصوصی میٹنگ ناگوار گزری اور انہیں کوفہ سے بغداد لاکر اولاً وزارت عدل کے منصبِ طہیل کی پیش کش کی۔ امام ابو حنیفہؒ پیہم معذرت کرتے رہے جب کوئی عذر قبول نہ ہوا تو امام صاحب نے کہا۔

انی لا اصلح یعنی قضا کی مجھ میں صلاحیت نہیں ہے۔

ابو جعفر نے کہا۔ بل انت تصلح بلکہ تم ضرور قضا کی صلاحیت رکھتے ہو۔

دونوں میں اسی سوال و جواب کا رد و بدل ہوتا رہا۔ ابو جعفر غضب ناک ہوا اپنے قطعی غیر مشکوک معلومات اور ذاتی تجربات پر اعتماد کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ سے کہنے لگا۔

کذبت انت تصلح تم جھوٹ بولتے ہو واقعہً تم قضا کی صلاحیت رکھتے ہو۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی خاموش نہ رہ سکے بڑی استغناء اور بے پروائی کے ساتھ خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔
 ”یہجئے آپ نے اپنے خلاف خود فیصلہ کر دیا کیا آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ اس شخص کو قاضی بنائیں جو آپ کے نزدیک
 جھوٹا اور کاذب ہے؟“

امام صاحب کے جواز سے ہمسایوں کا مطلق العنان فرماں روادہنی شکست کی رسوائی کے پیش نظر زیادہ مشتعل
 ہو گیا۔ خطیب نے لکھا ہے کہ قسم کھا بیٹھا اور کہا کہ ابوحنیفہ کو ہر صورت یہ کام کرنا پڑے گا۔ مگر حضرت امام نے بھی
 اسی بے باکی و آزادی کے ساتھ قسم کھائی کہ
 ”خدا کی قسم میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا۔“

قرائن اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر منصور نے غصہ سے اندھا ہوا کہ عواقب و انجام اور نتائج کا
 اندازہ کئے بغیر ابوحنیفہ کو تیس کوڑوں کی سزا دی جس سے ابوحنیفہ کی پشت پر نشان ابھر آئے اور ایڑیوں پر خون بہنے لگا
 صرف یہ نہیں بلکہ ابوحنیفہ کو جیل بھیج دیا ان پر سختی کرنے اور خوب ستانے کی تاکید کر دی۔ کھانے پینے میں قید و بند
 میں ملاقات میں سختی کی جانے لگی حتیٰ کہ بعض روایات کے مطابق کھانے میں زہر ملا دیا گیا۔

امام صاحب کی عمر اس وقت ستر برس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ زندگی بھی ساری علمی زندگی تھی۔ ادھر منصور نے بھی
 ایک دو نہیں تیس تیس کوڑوں کی مار دلوائی تھی۔ جیل خانے میں کھانے پینے کی تکلیف اور قید و بند کی سختیاں اور صعوبتیں اس
 پر مستزاد۔ صحت گر گئی۔ ابو جعفر منصور کے داروگیر اور جبر و تشدد نے بوڑھی ہڈیوں میں آخر کیا چھوڑا تھا جو زندگی کا ساتھ
 دیتا۔ موت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور موت ہی کو قدرت نے امام ابوحنیفہؒ کی نجات کا ذریعہ بنا دیا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کو
 اپنی موت کا یقین ہو گیا تو اپنی جبینِ نیا نہ بارگاہِ صمدیت میں جھکا دی سجدے میں چلے گئے اور اسی حال میں اپنی جان، جانِ آفریں
 کے سپرد کر دی۔

تیری معراج کہ تو لوحِ قلم تک پہنچا میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

یہ ہجرت کا ایک سو پچاسواں سال تھا۔ شعبان، شوال یا ربیع کا مہینہ تھا ابتداء میں اس خبر کو خواص تک محدود
 رکھا گیا۔ امام صاحب کے صاحبزادے حضرت حماد بغداد پہنچ چکے تھے۔ شہر کے قاضی حسن بن عمارہ نے جب آپ کو غسل دینے
 کے لئے کپڑے تارے تو جسم پر کوڑوں اور جہالت کے ابھرے ہوئے نشانات دیکھ کر سب رو پڑے بخود قاضی عمارہ
 نہلاتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ شہر میں کسی قسم کی منادی یا اطلاع نہیں کی گئی سب کچھ غفی رکھا گیا۔ جنازہ اٹھانے والے
 چارپانچ آدمی تھے۔ مگر جب فراسانی طاقتوں سے گزر ہوا تو ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے شہر میں بجلی دوڑا دی۔ پل کے پاس
 دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے لوگوں کا ازدحام اور سیلاب تھا جواٹھ آیا ابور جاہر دی کہتے ہیں۔
 اتنے آدمیوں کو روتے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

لہ اربا کیا من یومئذ

اسباب و علل کی روشنی میں انسانی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ بعد کو جو حالات پیش آئے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اقوال پر عدالتوں میں عمل ہونے لگا اور جب مامون نے اپنے چیمپے وزیر فضل ذوالریاستین کے کہنے پر ارباب علم و دانش اور اپنے خواص کی خصوصی مجلس مشاورت اس لئے بلائی کہ حنفی فقہ کو عدالت سے باہر کر دیا جائے تو بحث و مباحثے کے بعد ارباب مشاورت نے اس بات پر متفقہ فیصلہ دیا کہ ”یہ بات نہیں چلے گی بلکہ سارا ملک آپ لوگوں (عباسیوں) پر ٹوٹ پڑے گا اور حکومت کا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔“

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی وفات کے کل بیس سال بعد مارون الرشید کے خلیفہ ہونے تک بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، مدائن، مدینہ منورہ، مصر، خوارزم، کرمان، نیشاپور، سجستان، دمشق، ترمذ، جرجان، بلخ، ہمدان، صنعاء، شیراز، اہواز، تتر، اصفہان، سمرقند، ہرات اور ممالک محروسہ، عباسیہ کے تقریباً اکثر مرکزی مقامات میں حنفی، قاضی، محکمہ عدالت پر قابض اور ذخیل ہو گئے۔ جن میں بعض کا تقریر منصور نے بعض کا مہدی نے اور بعض کا ہادی نے کیا تھا۔ اور مارون کے عہد تک امام ابوحنیفہؒ کی انقلابی سیاست کے دور رس نتائج و ثمرات کے ترتیب کی توجہ نہ ہو گئی۔ حنفی قضاۃ اور حنفیت کے سامنے عباسیوں کی جبار حکومت سر جھکانے پر مجبور ہو گئی۔ ابو جعفر منصور سے لے کر مارون الرشید تک تمام عباسی حکمران اندرونی طور پر حنفی فقہاء اور علماء کا زور توڑنے میں جب بری طرح ناکام ہو گئے۔ حنفی فقہ اور حنفی فقہاء کے بغیر نظام حکومت کے تاراج ہونے کا اندیشہ یقین سے بدل گیا۔ تب قاضی ابویوسف کو عام قاضی کے عہدے سے ترقی دے کر قاضی القضاۃ کا مقام دے دیا گیا۔ اور محکمہ عدلیہ کی مطلق العنان عدالت پر قاضی ابویوسف۔ براجمان ہو گئے۔ جب مخالفین اور حاسدین نے قاضی ابویوسف کی ذمہ داریاں اور اختیارات دیکھے تو مارون الرشید سے شکایت کی۔ مارون الرشید نے جواب میں کہا۔

”خدا کی قسم علم کے جس باب میں بھی میں نے قاضی ابویوسف کو جانچا اس میں کامل اور ماہر پایا۔ میں آلودگیوں سے اس کے دین کو محفوظ پاتا ہوں آخر کوئی آدمی قاضی ابویوسف جیسا ہو تو پیش کر دے۔“

عباسیوں کو تقریباً پانچ صدیوں تک حکومت کرنے کا موقع ملا۔ ۱۳۳ھ میں سفاح اول الخلفاء بنی عباس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اور مستنصر عباسی آخری خلیفہ ۶۵۶ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ گویا ۵۴۰ سال عباسیوں کی اس دنیا میں حکومت رہی اور بغداد میں اس خاندان کے ۳۴ خلفاء گزرے۔ اس طویل ترین مدت میں ان کے قاضیوں خصوصاً قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز ہونے والوں میں عموماً حنفی مسلک کے پابند فقہاء تھے۔ الامام شرف اللہ بعض خاص وجوہات سے دوسرے مسالک کے فقہاء کو بھی کبھی کبھار مواقع ملتے رہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جو کچھ سوج کر وضع قوانین کی مجلس بنائی تھی خدا تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی اور ان کی مجلس کے (باقی ۵۵ پر)